

اورینٹل کالج میگزین، جلد ۹۷، شماره ۴، مسلسل شماره: ۳۶۶، سال ۲۰۲۲ء

## رقص شرار - غالب کی شاعری میں تمثالِ آتش

سہیل ممتاز خان، پی ایچ ڈی

ایسوسی ایٹ پروفیسر اردو

گورنمنٹ گریجویٹ کالج آف سائنس، وحدت روڈ، لاہور

### A DANCE OF SPARKS - IMAGERY OF FIRE IN GHALIB'S POETRY

Sohail Mumtaz Khan, PhD

Associate Professor of Urdu

Govt. Graduate College of Science, Wahdat Road, Lahore

#### Abstract

Annemarie Schimmel is a renowned Orientalist. The mystic tradition of Islam was her favorite area of interest. She loved mystic poetry very much. Besides Persian, she also took keen interest in Urdu poetry. She devoted herself for special study of Mirza Ghalib's art and thought. She presented her finding in her famous book *A Dance of Sparks-Imagery of Fire in Ghalib's Poetry*. She established in this book that the dance has special reference in different cultures. She also compared her loving Sufi personality of Mansoor Hallaj with Ghalib and gave an aesthetic touch to the motif of fire in dancing.

#### Keywords:

Annemarie Schimmel, Ghalib, Mansoor Hallaj, Urdu, Persian poetry, Imagery of fire

اورینٹل کالج میگزین، جلد ۹، شماره ۴، مسلسل شماره: ۳۶۶، سال ۲۰۲۲ء

اردو ادب میں زمانی اعتبار سے جو اہم، مربوط کام این میری شامل (۱۹۲۲-۲۰۰۳ء Annemarie Schimmel) کی جانب سے کتابی شکل میں سامنے آیا، اس کا عنوان A DANCE OF SPARKS- Imagery of Fire in Ghalib's Poetry ہے۔ یہ کتاب غالب کے فارسی اور اردو کلام میں موجود تمثال آتش سے متعلق ہے اور اپنی بعض حیثیتوں میں شامل کی چند بہترین ادبی کاوشوں میں سے ایک متصور ہو سکتی ہے۔ اس کی پہلی اشاعت ۱۹۷۹ء میں وکاس پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، غالب اکیڈمی کی جانب سے ہوئی۔ مضمون لکھتے ہوئے بھی یہی اشاعت زیر مطالعہ رہی۔ غالب (۱۷۹۷-۱۸۶۹ء) سے شامل کی رغبت اور اس مذکورہ کتاب کی بابت ڈاکٹر تحسین فراتی (پ۔ ۱۹۵۰ء) کچھ یوں رقم طراز ہیں:

"غالب پر شامل کے باضابطہ مضامین کا آغاز پاکستان کو اٹری جلد ۱۷، شماره اول میں ان کے شائع کردہ ایک مقالے Poetry and Calligraphy سے ہوا جس کا ذیلی عنوان تھا Some Aspects of the work of Mirza Ghalib یہ مقالہ ۱۹۶۹ء کے سرمائی شمارے میں شائع ہوا۔ صادقین کی مصوری سے جاہ جامزین اس مضمون کے بعد انھوں نے Woge der Rose Woge des Weins (موج گل، موج شراب) کے عنوان سے غالب کی اردو اور فارسی کی منتخب شاعری کے جرمن تراجم ۱۹۷۱ء میں کتابی صورت میں شائع کیے۔۔۔ اس کے بعد ۱۹۷۴ء میں غالب پر ان کی انگریزی کتاب A Dance of Sparks کے عنوان اور Imagery of Fire in Ghalib's poetry کے ذیلی عنوان سے دہلی سے شائع ہوئی اور دوبارہ وہیں سے ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی۔" (۱)

راقم کو ۱۹۷۹ء سے قبل کی اشاعت کا کوئی اور حوالہ نہ مل سکا۔ کتاب پر بات کرنے سے قبل یہ بتانا مناسب ہے کہ شامل کی غالب سبھی ایک بسیط تہذیبی، ثقافتی اور علمی ورثے پر انحصار کرتی ہے۔ انھوں نے غالب کو محض ایک شاعر کے طور پر نہیں پڑھا بلکہ وہ جو رشید احمد صدیقی (۱۸۹۲-۱۹۷۷ء) نے کہا کہ ہندوستان کو مغلیہ سلطنت نے تین چیزیں عطا کیں؛ تاج محل، اردو زبان اور اسد اللہ خاں غالب۔ شامل کے ہاں ہندوستان، مغل تہذیب اور اس خطے کی مجموعی سیاسی و ادبی اور بالخصوص مسلم و صوفی تاریخ ہر لمحہ موجود و متحرک رہی۔ شامل نے برصغیر پر لکھتے ہوئے کسی ایک عہد یا زمانے کو مطالعے کے لیے مخصوص نہ کیا بلکہ فنون لطیفہ کے جملہ عناصر بھی مرکز نگاہ رہے اسی لیے رقص سے خطاطی تک کتنے ہی ایسے مطالعات نظر سے

اورینٹل کالج میگزین، جلد ۹۷، شمارہ ۴، مسلسل شمارہ: ۳۶۶، سال ۲۰۲۲ء

گزرتے ہیں جو شمل کے تھر کا پتا دیتے ہیں، چناں چہ غالب پر بات کرتے ہوئے ان کا یہ کہنا درست ہے:

"اس کی سطروں کے عقب میں دانائی، لطف اور قریباً ایک ہزار برس کی فارسی شاعری اور برصغیر کے شمال مشرق میں مسلم حکم رانی کے نقوش موجود ہیں۔ چناں چہ یہ ممکن نہیں کہ فارسی شاعری کی تمثالوں، بحر اور قوافی کے سخت قوانین، مخاطب کے ان گنت زاویوں اور تصوف سے متصف اسلام کا مذہبی پس منظر جو عہدِ وسطیٰ سے لاکھوں دلوں میں زندہ ہے کو بھرپور انداز میں جانے بغیر غالب کو سمجھا جائے۔" (۲)

کتاب کے آغاز میں یعنی تعارفی حصے میں شمل، غالب، اردو اور فارسی شاعری کے جملہ اختصاصات کے ساتھ ساتھ کتاب لکھنے کے اسباب و مقاصد بھی نمایاں کرتی ہیں تاہم غالب کی بابت ان کی معلومات زیادہ نپ تلی نہیں، کہیں کہیں کوئی کمی رہ جاتی ہے۔ ان تسامحات کی نشان دہی تحسین فراتی اپنے ایک عالمانہ مقالے 'این میری شمل بحیثیت غالب شناس' چند معروضات میں کر چکے ہیں مثلاً شمل کا یہ کہنا:

"نوعمر اسد اللہ، اپنے لڑکپن کے ابتدائی برسوں میں، عبدالصمد جن کا تعلق ایران سے تھا کی نگرانی میں فارسی کی تحصیل میں شدت سے منہمک ہو اور یوں (عبدالصمد نے) ان کو فارسی کے بہترین اظہاری پیرائے سے آشنا کیا۔" (۳)

درست نہیں، ہم جانتے ہیں کہ غالب کے ہاں استاد، شاگردی کا معاملہ زیبِ داستاں کے لیے تھا اور غالب آ بے استاد کہلانے سے خائف تھے۔

"جہاں تک شعر و شاعری کا تعلق ہے، میرزا صاحب نے کسی شخص کے سامنے زانوئے تلمذ نہ نہیں کیا۔۔۔ سراج الدین احمد کے خط میں بھی صراحت کی ہے۔۔۔" (۴)

شمل کا اصل جو ہر اس لمحے کھلتا ہے جب وہ فارسی اور اردو ادب کی بابت اپنے خیالات ایک بھرپور شعری ضابطے اور تہذیبی مرقع میں پیش کرتی ہیں۔ ایسے میں ان کا قلم بے دریغ فنی نزاکتوں اور لطیف پیرایوں کا احاطہ کرتا ہے اور پڑھنے والے کو جہاں بہت سی گراں قدر معلومات حاصل ہوتی ہیں وہیں دو مختلف تہذیبوں سے جڑی، مذکورہ زبانوں کی شعریات بھی قاری کو مسحور کھتی ہے۔ مثلاً اردو فارسی ادب پر بات کرتے ہوئے وہ جن پیچیدہ شعری رموز کی تفہیم کرتی ہیں ان پر قاری حیران ہوتا ہے کہ جملہ شعری پیرایوں پر دست رس حاصل کرنے کو وہ کتنے جو کھم تھے جو انھوں نے اٹھائے۔ ذیل کا اقتباس اس ضمن میں دیکھا جانا چاہیے:

اورینٹل کالج میگزین، جلد ۹، شمارہ ۴، مسلسل شمارہ: ۳۶۶، سال ۲۰۲۲ء

"چنانچہ فارسی نظمیں، (ایک) طالب علم سے متنوع خطیبانہ پیرایوں اور ہر علامت اور استعارہ کی محتاط صراحت کا مطالبہ کرتی ہیں، اور شاید قاری کے لیے، ان کا سب سے دل چسپ پہلو یہ ہے کہ وہ شاعر کی صناعت پر پیش کش کا مشاہدہ کرے۔ اسے یہ جاننا ہے کہ کیسے وہ (شاعر) موضوعات کے چناؤ اور غیر روایتی طور پر علتوں کے تعین میں توازن برتا ہے۔۔۔" (۵)

مذکورہ گفت گو اگر فارسی زبان کے کسی بڑے ناقد کی جانب سے ہو تو شاید تخصیص نہ رکھے لیکن یہ گفت گو ایک ایسی مستشرقہ کی جانب سے ہے جس کے علمی، فکری میلانات مختلف رنگوں کے ابعاد سمیٹے ہوئے ہیں۔ شمل نے تعارفی حصے میں غالب کے مختلف اشعار کی توضیح کی ہے لیکن ان پر بات کرنے سے قبل شمل نے کتاب لکھنے کا جو مقصد بتایا اور اس کے ساتھ اپنی علمی بے بضاعتی کا جو اعتراف کیا، وہ لائق توجہ ہے اور اس ضمن میں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ شمل آکسفورڈ میں جس نشست کے لیے بہ حیثیت لیکچرار مقرر ہوئیں وہ افغان نژاد اے۔ کے۔ اوزئی درانی (م: ۱۹۶۴) جو امریکا میں MINUTE RICE کے موجد تھے، کی وصیت اور مالی تعاون کے سبب معرض میں آئی اور اس کا بنیادی مقصد غالب اور میر کی شاعری پر کام کرنا تھا؛ یوں شمل جنوبی ایشیا کے اسلامک کلچر پر اپنی نوع کی واحد محقق دانش ور خاتون تھیں:

"ہم چاہتے ہیں کہ غالب کی شاعری کی پیچیدہ تمثال کاری سے مغرب کا قاری متعارف ہو اور تقابلی ادب کا میدان جو اب تک دریافت نہیں ہوا، کی رسائی میں اس کی معاونت ہو۔۔۔ مزید برآں، یہ کاوش کسی ایک عالم کی استطاعت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ تاہم، امید ہے کہ ہم ایک حقیقی تصور بہم پہنچا سکتے ہیں کہ غالب اپنے پیش روؤں کے کس قدر گراں بار احسان تھے، اور اپنے زیرک خیالات کے سبب کس حد تک ان سے آگے نکل گئے ہیں۔" (۶)

تعارف ہی میں شمل نے غالب کے جن اشعار کی تفہیم و تشریح کی، ان کو دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کی غالب سمنہی بہتر سطح پر فعال ہے اور انھوں نے غالب کو بہتر انداز پر سمجھا، تاہم کہیں کہیں ان سے فروگزاشتیں بھی ہوئیں مثلاً غالب کے اس شعر کی تفہیم کچھ یوں کرتی ہیں:

بوسہ نہیں ، نہ دیتیجے ، دشنام ہی سہی

آخر زباں تو رکھتے ہو تم ، گر دہاں نہیں (۷)

"And Ghalib, in turn, consoles himself when his beloved refuses to kiss him and scolds him instead-

اورینٹل کالج میگزین، جلد ۹، شماره ۴، مسلسل شماره: ۳۶۶، سال ۲۰۲۲ء

how could she kiss him at all since she has no mouth?"(8)

ترجمے کو دیکھیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ شعر کا مدعا کچھ اور ہے اور غالب اس شعر:

قطع کیجے نہ تعلق ہم سے  
کچھ نہیں ہے، تو عداوت ہی سہی (۹)

کے مصداق محبوب سے کچھ نہ کچھ ملنے، لینے، حاصل کرنے کے معنی ہیں یعنی بوسہ نہ سہی، دشنام ہی سہی؛ اور اس ضمن میں غالب کا ایک اور شعر بر محل معلوم ہوتا ہے:

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں  
کاش! پوچھو کہ مدعا کیا ہے؟ (۱۰)

شمل کے انھی تسامحات پر تحسین فراقی نے خاص طور سے گرفت کی اور کہیں کہیں یہ قدرے سخت بھی معلوم ہوتی ہے:

"غالب پر ان کی تحریریں بعض جہتوں سے فکر افروز ہونے کے باوجود بہ حیثیت مجموعی اطمینان بخش نہیں، خصوصاً بعض اردو و فارسی اشعار کے ترجمے میں انھوں نے متعدد جگہ ٹھوکریں کھائی ہیں۔ کہیں کہیں یہ ترجمے مضحکہ خیز حد تک غلط ہیں۔" (۱۱)

اور پھر فراقی صاحب غالب کے زبان زد عام شعر کو پیش کرتے ہوئے دورانِ مقالہ کچھ یوں

کہتے ہیں:

"غالب کا ایک مشہور نظریفانہ شعر ہے:

مگر لکھوائے کوئی اس کو خط، تو ہم سے لکھو اوے  
ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے (۱۲)

اس شعر کے باب میں شمل کا یہ کہنا ہے:

‘Our poet leaves his house early in the morning to ask a scribe to write a letter to the sweetheart.’

گویا شمل کی دانست میں شاعر خود خط لکھنا نہیں جانتا تھا، یا بوجہ اس سے قاصر تھا لہذا محبوب کو خط لکھوانے کے لیے کسی کاتب یا منشی کا متلاشی اور محتاج تھا۔ حیرت ہے کہ شمل اس سادہ سے شعر کے سامنے کے مفہوم

کو بھی نہ سمجھ پائیں۔" (۱۳)

اورینٹل کالج میگزین، جلد ۹، شمارہ ۴، مسلسل شمارہ: ۳۶۶، سال ۲۰۲۲ء

لیکن ترجمے کی یہ نارسائی ہر جگہ نہیں ہے۔ شمل نے غالب کے بعض مشکل اشعار کی گرہ کشائی میں فنی مہارتوں کا اظہار کیا اور غالب سنبھی کی بابت اپنے وسیع مطالعے سے قاری کو محظوظ بھی کیا۔ مثلاً ان کے ہاں غالب کے ایک قدرے مشکل شعر کی تعبیر کچھ یوں ہے:

نہ پوچھ نسنہ مرہم جراحہ دل کا  
کہ اس میں ریزہ الماس جزو اعظم ہے (۱۴)

“The main ingredient is the salve for the wounds of his heart is pulverized diamond...the hardest element conceivable-which adds to the gall.”(15)

اس طرح غالب کا ایک اور شعر بھی دیکھا جاسکتا ہے اور یہاں بھی شمل نے اپنے اعلیٰ علمی ذوق کا ثبوت فراہم کیا۔ شعر ملاحظہ کیجیے:

حاصل الفت نہ دیکھا جز شکست آرزو  
دل بہ دل پیوستہ، گویا، یک لب افسوس تھا (۱۶)

شمل کی تفہیم کچھ یوں ہے:

“Heart pressed unto heart were so-to-speak a ‘lip of regret’ ...that means lips pressed together in regret and sorrow”(17)

غرض ایسے متعدد اشعار کا حوالہ دیا جاسکتا ہے جہاں شمل کی فراست اپنی داد خود وصول کرتی ہے اور کئی موقعوں پر ان کی اردو کلاسیکی شاعری سے آشنائی، لطف دیتی ہے۔ غالب کا ایک اہم اور معروف شعر:

عشرت قتل کہ اہل تمنامت پوچھ  
عیدِ نظارہ ہے، شمشیر کا عریاں ہونا (۱۸)

کے نہ صرف ترجمے میں فنی مہارتوں کا احساس ہوتا ہے بل کہ اس کے پس منظر میں پیش کردہ تفصیل بھی اہمیت کا حامل ہے:

Don't ask how happy the yearning ones are when /They see the place for execution! / It is the 'Eid of expectation (that) the / Sword should become naked.

”ہلال جو عید الفطر کا نقیب ہے، مثلاً (یہ) تہوار جو ماہ رمضان کے آخر میں ہے کا تقابل تیغ کی روایتی نمائندہ مثال سے کیا جاتا ہے؛ اور جس طرح نئے چاند کو دیکھنے کی لوگ شدید تڑپ رکھتے ہیں جو ماہ رمضان کا اتمام

اورینٹل کالج میگزین، جلد ۹، شماره ۴، مسلسل شماره: ۳۶۶، سال ۲۰۲۲ء

کرتا ہے اسی طرح عشاق اُس جگہ، نیام سے کھینچی تلوار کو دیکھ کر لطف اٹھاتے ہیں جہاں انھیں قتل کیا جانا ہے۔" (۱۹)

شمل غالب کی نشاطیہ فارسی غزل جس کی ردیف "برقص" ہے اور جس پر ترجمہ نگاری کے حوالے سے تحسین فراتی نے خاص طور سے گرفت کی ہے، کے ضمن میں رقص کی تہذیبی، ارضی شناخت کو ایک بسیط پس منظر کے ساتھ بیان کرنے کی منفرد کوشش کرتی ہیں۔ یہاں رقص کسی ایک خطے یا معاشرت سے میل نہیں کھاتا بلکہ رقص کی ثقافت اپنے مختلف النوع رنگ بکھیرتی ہے اور یوں اقوام عالم میں یہ انسانی فعل، ایک لسان کی حیثیت سے اپنا تفاعل پیش کرتا ہے اور اس کا بدلتا روپ، نئے معانی و مفہیم کا مظہر بن جاتا ہے۔ مثلاً ایک صوفی اور طوائف کا رقص، خوشی سے جھومتی چھوٹی بچی اور کسی بزرگ کا بچوں کے لیے ناچنا جدا معنویت کا حامل ہے؛ اور پھر یہ رقص صرف انسانی جبلت یا فطرت ہی سے مشخص نہیں بلکہ جانوروں، پرندوں اور درختوں کی جھومتی شاخوں میں بھی اس کی صورت مشاہدہ ہوتی ہے جیسا کہ غالب خود سپردگی میں، خس و خاشاک کو بھی حالتِ رقص میں دیکھتے ہیں۔ (۲۰)

رقص سے متعلق شمل کا بیان قدرے طوالت لیے ہوئے ہے اور اس قدر زخار ہے کہ اس کا ترجمہ ہونا یا پڑھا جانا بصیرت افروز ہو سکتا ہے:

"بے شک، رقص قریباً ہر مذہب میں خصوصی مقام رکھتا ہے۔۔۔ جیسا کہ کیتھولک فاضل دینیات کارل غانانے ایک بار کہا: ہر کھیل، اپنے گہرے معنوں میں رقص ہے، ایک دائروں رقص جو حقیقت کے گرد گردش میں ہے۔ یہ انسان کو دنیا سے دور لے جاتا ہے۔۔۔ اور یہ واضح طور پر قدیمی یونانی روایت سے جانا گیا ہے۔۔۔" (۲۱)

شمل رقص کے ضمن میں متعدد کلاسیکی تلازمات بروئے کار لاتی ہیں۔ شمع و پروانہ، حرمتِ سماع غرض ان سب کے مابین نہ صرف مشترک اقدار کی ترتیب سامنے لاتی ہیں بلکہ تاریخی حقائق بھی پیش کرتی ہیں۔ ان کے نزدیک 'سماع' کی نیو، نویں صدی عیسوی میں رکھی گئی اور یہ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی (م: ۸۷۲ء) تھے جنہوں نے مختصر اور دل کو چھو لینے والی شاعری میں یہ بتایا کہ انسان، عشقِ خدا میں ذاتِ حق کے گرد رقصاں ہے اور یہ وجودی صوفی منصور حلاج (۸۵۸-۹۲۲ء) تھے جنہوں نے پہلی بار پروانے کے رقص اور شمع کے گرد منڈلانے، جل جانے کو حیاتِ ابدی سے تعبیر کیا۔ منصور حلاج شمل کی تحریروں میں اکثر مذکور ہوتے ہیں اور ان کا شخصی و فکری اثر، شمل کی اپنی شخصیت پر بہت گہرا ہے اور اس

اورینٹل کالج میگزین، جلد ۹، شمارہ ۴، مسلسل شمارہ: ۳۶۶، سال ۲۰۲۲ء

موضوع پر ایک جدا مقالے کی تسوید مناسب معلوم ہوتی ہے۔ غالب اور حلاج کے موازنے میں شمل کا یہ کہنا دل چسپی کا حامل ہے:

"چوں کہ غالب بیدل، ناصر علی اور شاعری کی دہلوی روایت کی راہ میں کھڑے ہیں اور کسی حد تک تصوف (بھی، تو) یہ حیرانی کا باعث نہیں کہ انھوں نے حلاج کی تمثال کاری کی تخریج بہت زیر کی سے کی ہے۔ یہ خیال ان کے اہم موضوعات میں سے ایک کی تشکیل کرتا ہے کہ عاشق ایزاؤں میں لازماً مسرور ہے۔۔۔ ایک لفظ جو قاری کو شرابِ عشق کے خماری کی یاد دلاتا ہے، اور وہ جانتا ہے کہ سچ کہنا۔ اور لفظ 'حق' کی ادائیگی وہ، انہی سچائی' (ہے)۔ جو آدمی کو ناگزیر طور پر سولی تک لے جاتی ہے۔۔۔" (۲۲)

کتاب کا بیشتر حصہ غالب کے فارسی، اردو اشعار کی تعبیر و تشریح، ان دونوں زبانوں کے کلاسیکی پس منظر اور تہذیب و ثقافت سے جڑا ہوا ہے۔ شمل اردو کے کلاسیکل ورثے کی شناور ہیں۔ کلاسیکی رموز اور فنی محاسن سے بہ خوبی آگاہ ہیں اور اس بیانے میں شعری، تمثیلی اور علامتی پیرائے بھی ان کی تحریر کا موضوع بنتے ہیں۔ بعض موقعوں پر مخصوص تلازمات و استعارات گراں محسوس ہوتے ہیں جن سے طبیعت او بنے لگتی ہے تاہم جاہ جامد کور ادبی و شعری تفحصات قاری کو متحیر رکھتے ہیں۔ مقالے میں خاص طور سے اردو سے جڑے ان کے پیش کردہ مطالعے کو سامنے رکھا گیا ہے اور یہ جاننا مشکل نہیں کہ ان کا شعری ذوق اعلیٰ پائے کا ہے اور پھر تہذیبی عوامل کی تسہیل میں ان کا بیان، انتہائی خلاق اور وجدانی ہے۔ شمل نے تمثال آتش کو مرکز فکر بناتے ہوئے رقص شرر کو نمایاں کرنے کی بھرپور جست جو کی ہے۔ ان کی پیش کردہ تمثیلیں مخصوص ثقافتی تناظر لیے ہوئے ہیں اور موضوع صرف شاعری تک محدود نہیں رہتا بل کہ فنون لطیفہ کی کچھ اور سمتوں کو جا لیتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں شمل اوروں سے منفرد ہیں کہ ان کا مطالعہ کسی ایک صورت واقعہ کا مرہون منت نہیں؛ بات بڑھتی ہے تو تعبیرات کا سلسلہ بھی پھیلتا ہے اور نئے معانی منکشف ہوتے ہیں:

"غالب آوروں کی مانند، حرف واحد کے دیگر اشیاء کے تقابل کے فن سے، بخوبی آشنا تھے، جیسا کہ صدیوں سے 'الف' محبوب کی نازک قامت، الوہی وحدت اور اس کے بے مثل ہونے کی علامت ہے۔۔۔ 'س' سے دانت، 'م' سے چھوٹا دہن۔ تا وقتیکہ یہ نام محمد سے جڑے اور آپ کی رفعت کی بابت گویا ہو۔ عربی حروف تجبی سے کھیلنے کا یہ رجحان، اسلامی شاعری کا ایسا خاصہ ہے، جو غالب کی شاعری میں کم یاب نہیں۔" (۲۳)

اورینٹل کالج میگزین، جلد ۹، شماره ۴، مسلسل شماره ۳۶۶، سال ۲۰۲۲ء

اور تمثالِ آتش کی بابت شمل کا یہ بیان بھی توجہ کا حامل ہے:

"اس کی تخریبانہ قوت کے باوجود، آتش، غالب کی شعری زبان میں ایک مثبت جانچ رکھتی ہے کہ یہ عشق کی طاقت سے مربوط ہے۔۔۔ یہ مثبت جانچ اس وقت خاص طور سے نمایاں ہوتی ہے جب غالب تصور برق کو ابھارتے ہیں، جو فارسی روایتی شاعری میں، 'گریہ ابر' کے برعکس، اکثر (محبوب کے) تبسم اور قہقہے سے مربوط ہے۔" (۲۴)

☆☆☆☆☆

### حوالے

- (۱) تحسین فراقی، "این میری شمل بحیثیت غالب شناس۔۔۔ چند معروضات" مباحث، (لاہور: جلد ۱، شماره ۱، جنوری تا جون ۲۰۱۲ء)، ۱۱۸۔
- (2) Schimmel, Annemarie. *A Dance of Sparks- Imagery of Fire in Ghalib's poetry*, (New Delhi: Vikas Publishing House PVT Limited, 1979), 4. Print.
- (3) Schimmel, Annemarie (foreword). *Urdu Letters of Mirza Asadu' llah Khan Ghalib by Daud Rahbar*. Translated and annotated. (Albany: State University of New York Press, 1987), xi.
- (۴) امتیاز علی خاں عرشی، دیوان غالب، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۲ء)، ۱۴۔
- (5) Schimmel, Annemarie. *A Dance of Sparks- Imagery of Fire in Ghalib's poetry*. P.13
- (6) Ibid. P.18,19
- (۷) امتیاز علی خاں عرشی، دیوان غالب، ۲۳۳۔
- (8) Schimmel, Annemarie. *A Dance of Sparks- Imagery of Fire in Ghalib's poetry*, 14.
- (۹) امتیاز علی خاں عرشی، دیوان غالب، ۲۸۵۔
- (۱۰) ایضاً، ۳۱۵۔
- (۱۱) تحسین فراقی، "این میری شمل بحیثیت غالب شناس۔۔۔ چند معروضات" مباحث، ۱۱۴۔
- (۱۲) امتیاز علی خاں عرشی۔ دیوان غالب، ۳۳۴۔
- (۱۳) تحسین فراقی، "این میری شمل بحیثیت غالب شناس۔۔۔ چند معروضات" مباحث، ۱۳۶۔
- (۱۴) امتیاز علی خاں عرشی۔ دیوان غالب، ۳۰۰۔
- (15) Schimmel, Annemarie. *A Dance of Sparks*, 14.

اورینٹل کالج میگزین، جلد ۹، شماره ۴، مسلسل شماره: ۳۶۶، سال ۲۰۲۲ء

- (۱۶) امتیاز علی خاں عرشی۔ دیوان غالب، ۱۷۹۔
- (17) Schimmel, Annemarie. A Dance of Sparks, 14.
- (۱۸) امتیاز علی خاں عرشی۔ دیوان غالب، ۱۷۳۔
- (19) Schimmel, Annemarie. A Dance of Sparks, 15
- (۲۰) ایضاً، ۲۲-۲۳۔
- (۲۱) ایضاً، ۲۸۔
- (۲۲) ایضاً، ۱۰۴۔
- (۲۳) ایضاً، ۱۲۵۔
- (۲۴) ایضاً، ۷۳۔

## BIBLIOGRAPHY

- Imtiyaz Ali Khan Arshi, *Divān-i Ghalib*, (Majlis-e Taraqqi-e Adab, 1992).
- Schimmel, Annemarie (foreword). *Urdu Letters of Mirza Asadullah Khan Ghalib by Daud Rahbar*. (Trans. and annotated), (Albany: State University of New York Press, 1987)
- Schimmel, Annemarie. *A Dance of Sparks- Imagery of Fire in Ghalib's poetry*, (New Delhi: Vikas Publishing House PVT Limited, 1979)
- Tehseen Faraqi, “Annemarie Schimmel Bahaysiyyat-e Ghalib Shinās- Chand M‘aruzāt”, *Mubāḥis*, (Lahore: Vol.1, Issue.1, Jan-June 2012).

